قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی بحیثیت شاگرد امام العصر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ

تحریر: ڈاکٹر محمود الحسن عارف

میرے آج کے مقالے کا موضوع "قاضی ثناء اللہ پانی پتی بحیثیت شاگرد امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ" ہے یہ میری انتہائی خوش قسمتی ہے کہ قدرت نے پی ایچ ڈی کے لیے مجھے جس شخصیت پر کام کرنے کا موقعہ فراہم کیا اور جس کام کی وجہ سے مجھے جامعہ پنجاب کی طرف سے اس اعلیٰ علمی اعزاز کا مستحق گردانا گیا وہ شخصیت امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے انہی شاگرد رشید کی ہے۔ آج کے اس مقالے میں، میں اپنے اس مطالعے کے چند منتخب امور کے ذکر پر کفایت کروں گا۔

حضرت قاضی صاحب ؒ کو قدرت نے بہت سی سعادتوں سے بہرہ انداز کیا تھا، وہ اپنے جدی سلسلے سے تیئیس واسطوں کے ساتھ حضرت عثمان ذی النورین ؓ کی اور ننھیالی جانب سے چالیس پشتوں کے ذریعے حضرت ابوایوب انصاری میزبان نبوی ؐ کی اولاد ہیں[1] ان کی ددھیال چشتیہ سلسلے کے قطب الاقطاب حضرت مخدوم جلال الدین عثمانی پانی پتی (م ۷۶۵ھ/۱۳۶۳ء) سے اور ننھیالی خاندان شیخ الاسلام عبداللہ انصاری المعروف بہ پیر ہرات (م ۴۸۱ھ/۱۰۸۸ء) کے ذکر سے معطر و مزین ہے قاضی صاحب کے خاندان میں تقریباً بارہ پشتوں سے "علم دین" کا سلسلہ متوارث ہوتا ہوا ان کی ذات تک پہنچا اور ان کی اولاد بھی کئی نسلوں تک علم و دین کی وارث و حامل رہی۔ قاضی صاحب کے دادا قاضی ہدایت اللہ عہد مغلیہ میں پانی پت کے

[1] یہ تفصیل راقم الحروف نے اپنی تحقیقی مقالے کے باب دوم میں رقم کی ہے

قاضی ادر ایک نامور عالم دین تھے[13] یعنی شیخ محمد عابد سنامی (م ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء) سا مرشد کامل ان کے زیر درس رہ چکا تھا۔ اور قاضی صاحب کے والد قاضی محمد حبیب اللہ کے علم و فضل کا یہ حال تھا کہ ان کے مرشد کامل نے خرقہ خلافت دینے کے بعد ان کی تربیت کا آغاز کیا تھا[14] دوسری طرف ان کے نانا نواب لطف اللہ خاں شمس الدولہ بہادر تہور جنگ دربار مغلیہ کے پنج ہزاری منصب دار تھا[15]۔ اس طرح قاضی صاحب کی ذات دین و دنیا کا ایک حسین امتزاج تھی۔

قاضی صاحب مشہور مردم خیز قصبے "پانی پت" میں تخمیناً ۱۱۴۰ھ/۱۷۲۷ء اور ۱۱۴۳ھ/۱۷۳۰ء کے مابین پیدا ہوئے یہیں انھوں نے شہر کے علماء و فضلاء سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ان کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ انھوں نے محض سات برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور سولہ سترہ سال کی عمر میں کتب درسیہ سے فراغت حاصل کر لی تھی مزید لطف کی بات یہ ہے کہ انھوں نے اسی سولہ سترہ برس کی عمر میں اپنی پہلی کتاب "احقاق حق" تصنیف فرمائی جو حضرت مجدد الف ثانی پر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے اعتراضات کے مدلل جوابات پر مشتمل ہے[16]

تحصیل علم میں بھی قدرت نے انھیں بہت سی سعادتوں سے بہرہ ور فرمایا تھا۔ انھوں نے بیک وقت ہندوستان کے تین نامور محدثین سے حدیث کا علم حاصل کیا۔ جن میں امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) شاہ فخرالدین بادی،

---

[12] نعیم اللہ بڑائچی، بشارات مظہریہ۔ مخطوطہ برٹش میوزیم، مائیکروفلم مملوکہ مقالہ نگار ورق ۱۴۶ ب۔

[13] بشارات مظہریہ، فاہی، ورق ۱۴۶ ب

[14] رسالہ نگار، رامپور اگست ۱۹۵۳ء مآثر الامراء ۳۰، ۱۵۳، ۱۵۴۔

[15] قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، احوال و آثار، باب ۵ (قلمی) مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری۔

[16] اس کے مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ مولانا ابوزید فاروقی جلی قبر دہلی کے پاس موجود ہے راقم الحروف کو [illegible] کا نسخہ [illegible] موسیٰ زئی شریف (ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان) سے دیکھنے کا اتفاق ہوا جس کی ایک [illegible] کے ساتھ منسلک ہے۔

محدث (م ۱۱۳۳ھ/ ۵۰-۱۷ء) اور مرزا مظہر جان جاناں دہلوی (م ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۰ء) جیسے اکابر امت شامل ہیں۔ مرزا مظہر جان جاناں تو قاضی صاحب کے خصوصی مربی تھے اور سرپرست بھی، بہت بڑے صوفی کامل ہونے کے ساتھ اونچے درجے کے محدث تھے۔ اور اپنی خانقاہ میں باقاعدہ درس حدیث دیا کرتے تھے۔ اور شیخ محمد افضل سیالکوٹیؒ (م ۱۱۴۶ھ/۱۷۳۳ء) تلمیذ شیخ عبداللہ سالم مکی کے شاگرد تھے اور امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ہم سبق تھے۔

امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور مرزا مظہر جان جاناں شہید کے مابین نہایت خوشگوار مراسم قائم تھے۔ بعض آثار سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں کے درمیان شاگردوں اور مستفیدین کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ حضرت شاہ صاحب اپنے خطوط میں مرزا صاحب کو بجا طور پر "قیوم طریقہ احمدیہ" اور "داعی سنت نبویہ" لکھتے تھے اور حضرت مرزا صاحب بھی حضرت شاہ صاحب کا غایت درجہ ادب واحترام ملحوظ رکھتے تھے، قاضی صاحب کا تعلق ابتدا، حضرت مظہر سے قائم ہوا تھا۔ اس لیے یہ قیاس ہوتا ہے کہ غالبًا انھوں نے ہی قاضی صاحب کو حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں بغرض استفادہ علم حدیث ارسال کیا۔ بہرحال یہ قاضی صاحب کی بھی انتہائی خوش نصیبی تھی کہ انھیں شیخ ملا تو حضرت مظہر جان جاناں شہید سا اور استاد حدیث ملا تو امام العصر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جیسا۔

امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی زندگی کا یہ وہ دور تھا کہ جب ان کی حجاز مقدس سے واپسی ہو چکی تھی (۱۱۴۵ھ) اور وہ اس وقت اپنے علم وفکر کی اس انتہاء کو پہنچ چکے تھے۔ جو ان کی عظیم الشان کتب حجۃ اللہ البالغہ اور تفہیمات الٰہیہ وغیرہ میں نظر آتی ہے۔ اس وقت "اکھڑے والان، تین در والی صندوق نما لداؤ والی مسجد اور ایک کٹہرے"[۷] پر مشتمل "مدرسہ رحیمیہ" کی شہرت کا آفتاب عالمتاب عین نصف النہار تھا۔ اس دور میں تاریخ اسلام کا یہ نامور معمار قوم نونہالان وطن میں مستقبل کے لیے گوہر نامدار تلاش کرنے اور انھیں تراش خراش کو عظیم مقاصد کے لیے تیار کرنے میں مصروف تھا۔ جو اس کے مشن اور پروگرام کو اقتضائے عالم تک

۷ے بشیرالدین، واقعات دارالحکومت دہلی، ۲: ۵۸۵، ۵۹۰ جہاں رحیمیہ کی تفصیل دی گئی ہے۔

پہنچا سکیں اور یہ اس درسگاہ کی بھی خوش بختی تھی کہ انھیں ایسے جواہرات تلاش کرنے میں مایوسی نہیں ہوئی۔ خود قاضی صاحب بھی ایسے ہی بیش قیمت جواہرت میں شامل تھے۔

حضرت قاضی صاحب جن ایام میں امام العصر شاہ ولی اللہ کے ہاں زیر تعلیم تھے (اندازاً نواح ۱۱۹۰ھ/۱۷۴۶ء) ان دنوں میں وہ مرزا صاحب کے ہاں بھی کئی کئی روز تک حاضر نہ ہو سکتے تھے مرزا مظہر جان جاناں شہید کو قاضی صاحب سے غایت درجہ محبت تھی جس میں عقیدت کا رنگ بھی جھلکتا تھا[۸]۔ اس لیے انھیں قاضی صاحب کی غیر حاضری نہایت شاق گزرتی تھی چنانچہ مرزا صاحب نے امام العصر کو ایک مکتوب میں لکھا جس میں ان سے چند مسائل بھی پوچھے اور قاضی صاحب کے بارے میں استفسار کیا کہ وہ کب تک امام العصر کے ہاں زیر تعلیم رہیں گے۔ اس کے جواب میں شاہ صاحب نے رقم فرمایا:

مولوی ثناء اللہ مصابیح و صحیحین اسماع نمودند مستعد کتب ستہ بلکہ عشرہ متداولہ اند بہمین توجہ ہمت سامی توقع است کہ آئینہ بظہور رسد و بعد ازاں احرام صحبت شریف بندند[۹]	مولوی ثناء اللہ مصابیح اور صحیحین (صحیح بخاری و مسلم پڑھ چکے ہیں اور اب صحاح ستہ بلکہ عشرہ متداولہ پڑھنے کا بھی ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ کی مبارک توجہ کے باعث امید ہے کہ ان کا مقصد پورا ہوگا پھر وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا احرام باندیں گے۔

امام العصر شاہ ولی اللہ کے اس خط سے ان دونوں اکابرین امت کے ہاں قاضی صاحب کے مقام و مرتبے کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اس سے قاضی صاحب کی تحصیل علم کے لیے مستعدی اور اس میں گہرے انہماک کا تاثر بھی ملتا ہے۔

---

۸ قاری ابو محمد محی الاسلام نے قاضی صاحب کے حالات میں تحریر کیا ہے کہ جب قاضی صاحب (حدیث کا سبق پڑھ کر) مرزا شہید کے ہاں آنے کے لیے روانہ ہوئے تھے تو مرزا شہید اسی وقت اپنے مریدوں سے فرمایا کرتے تھے کہ قاضی صاحب آرہے ہیں۔ ان کے لیے جگہ خالی کردو۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ کو قاضی صاحب کی آمد کا علم کیسے ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ جب میں دیکھتا ہوں کہ میری مجلس کے فرشتوں میں ہلچل مچی ہوئی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ حضرت قاضی صاحب کی آمد ہونے ہو نے والی ہے۔

۹ کلمات طیبات، مطبوعہ دہلی ص ۱۵۸-۱۵۹ مکتوب اول۔

تحصیل علم حدیث سے فراغت ہو جانے کے بعد بھی قاضی صاحب امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ہاں آتے جاتے رہتے تھے اور ان سے استفادہ علمی کرتے رہتے تھے. چنانچہ امام العصر کے وصال سے چند سال پیشتر کے ایک خط میں بھی قاضی صاحب کا ذکر ملتا ہے امام العصر تحریر فرماتے ہیں :

بعد سلام واضح باد کہ مولوی ثناء اللہ بار قیمہ کریمہ رسید ند موجب مسرت گردید . . . توقع آنست کہ دنا وقات مرجوہ دعاے سلامت ازآفات ظاہرہ و باطنہ درحق بندہ ضعیف وفرزندان ومتعلقان بوجود می آمدہ باشد والسلام۔[1]

سلام کے بعد واضح ہو کہ مولوی ثناء اللہ مکتوب گرامی کے ساتھ پہنچے (اس یاد آوری) پر بے حد خوشی ہوئی . . . . امید ہے کہ خصوصی اوقات میں میرے لیے اور میرے فرزندان اور متعلقین کے لیے ظاہری و باطنی آفتوں سے سلامتی کی دعا کا سلسلہ جاری رکھیں گے ۔ والسلام

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے فراغت کے بعد بھی امام العصر کے ہاں آمد و رفت کا باقاعدہ سلسلہ جاری رکھا ۔

۲۔ علمی زندگی

یہاں تک تو قاضی صاحب کے امام العصر سے استفادہ علمی کا ذکر تھا اب قاضی صاحب کی علمی زندگی میں ولی اللہی اثرات بھی چند ارشادات پیش کیے جاتے ہیں۔

امام العصر جب ۱۱۴۵ھ/۱۷۳۲ء میں حجاز اقدس کے سفر سے واپس تشریف لائے تو ان کے کے سامنے "امت" کی اصلاح کا ایک واضح نصب العین تھا. چنانچہ انھوں نے ہندوستان واپسی کے ساتھ ہی اپنے اس پروگرام پر عمل درآمد شروع کر دیا امام العصر شاہ ولی اللہ کا نصب العین زندگی کے محض ایک دو پہلوؤں کی اصلاح نہ تھا بلکہ ان کا نصب العین یہ تھا کہ مسلمانوں کی زندگی کا ہر گوشہ اپنی اصلی آب و تاب کے ساتھ نمایاں ہو کر سامنے آجائے ۔

قدرت نے امام العصر کو ایک ایسے زمانے میں بھیجا تھا جب فی الواقع امت کو ان جیسے رہنما کی اشد ضرورت تھی۔ دنیائے اسلام اس وقت اختلال و انتشار کے آخری نقطے کو پہنچ رہی تھی ہندوستان میں مسلمانوں کی صدیوں کی حکومت کا سایہ اب برائے نام باقی تھا. ہندوستان کے طول

---

[1] کلمات طیبات ص ۱۵۹، م ۴

و عرض میں غیر مسلم طاقتیں، ہندو جاٹوں، مرہٹوں اور سکھوں کی صورت میں منظم ہو رہی تھیں۔ یورپین طاقتوں نے بھی ہندوستان کے ساحل پر مکر و فریب اور سازشوں کے ذریعے اپنی اپنی طاقتوں کا مظاہرہ شروع کر دیا تھا۔ عالمی سطح پر بھی مسلمان زوال و انتشار کا شکار تھے۔ سلطنت عثمانیہ اندرونی خلفشار میں مبتلا تھی اور یورپین ممالک سے اس کی پسپائی کا عمل اس صدی سے شروع ہو چکا تھا الغرض دنیائے اسلام کو اس وقت فی الواقع ایک ایسے امام و قائد کی ضرورت تھی جو زندگی کے ہر پہلو میں وقت کے تقاضوں کے مطابق ان کی رہنمائی کر سکے۔

اس پس منظر میں امام العصر نے اپنے تجدیدی کاموں کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا۔ (۱) ان کے تجدیدی کام کا مرحلہ اول یہ تھا کہ امت کی فکری و علمی رہنمائی کی جائے اس دور کا مسلمان طرح طرح کے رسم و رواج میں مبتلا ہو کر اپنا دین و مذہب گم کر بیٹھا تھا اور رسوم و رواج ہی کو دین و شریعت کا مقام دیا جا رہا تھا۔ ادھر دینی درسگاہوں میں منطق و فلسفہ نے حدیث و فقہ کی جگہ حاصل کر لی تھی اور علماء و فضلا زندگیوں کا بیشتر حصہ انہی علوم کی تحصیل و تعلیم میں صرف کر دیا کرتے تھے۔ امام العصر نے حدیث اور تفسیر کو ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں اپنا مقام دلایا آج دنیا بھر میں حدیث پڑھنے پڑھانے کے لیے ان سے عالی، ان سے بہتر اور ان سے کثیر الاشاعت اور کوئی سند ہے ہی نہیں۔

حدیث کی طرح امت قرآن سے بھی واجبی سا تعلق قائم رکھے ہوئے تھی۔ امام العصر نے اس تعلق کو بھی از سرِ نو مستحکم کیا اور ترجمہ فارسی ترجمہ و تفسیر فتح الرحمٰن لکھکر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے ایک بہت بڑی تحریک کا آغاز کیا۔

فقہ کی دنیا میں امام العصر نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ مسالک کے مابین فقہی اختلافات کو کم کیا۔ دور جدید کے تقاضوں کے مطابق آٹھ شرائط پر پورا اترنے والے فقہا کو اجتہاد کرنے کی ترغیب دی اور اجتہاد کو ہر دور کے لیے فرض کفایہ قرار دیا۔ الغرض فکری و علمی دنیا میں ان کے بے شمار کارہائے نمایاں ہیں جن کا ذکر موجب طوالت ہوگا۔

(۲) جبکہ اس کا دوسرا مرحلہ اسلام کے غلبے کے لیے سیاسی کوششوں کا آغاز ہے وہ ہندوستان کی تاریخ کے پہلے شخص تھے جنہوں نے "درویشی" ہوتے ہوئے بھی بادشاہوں جیسا کردار ادا کیا۔

اور ایک ایسی عظیم سیاسی و مذہبی تحریک کی بنیا د رکھی جس کے اثرات علمائے دیوبند کی جد وجہد کی صورت میں اس وقت بھی باقی ہیں اور شاید قیامت تک باقی رہیں گے۔

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی بھی اپنے بلند مرتبہ استاد سے بہت زیادہ متاثر تھے اس لیے اگر یہ کہا جائے تو بجا ہوگا کہ انھوں نے بھی اپنی پوری زندگی اپنے عظیم المرتبت استاد کے نصب العین کی تعمیل و تکمیل میں صرف کر دی۔

قاضی صاحب نے امام العصر سے "عشرہ متداولہ" (حدیث کی دس بڑی کتابیں) کیا پڑھی تھیں کہ اس سے ان کی زندگی کا نقشہ ہی بدل گیا۔ قاضی صاحب نے مختلف علوم و فنون پر کم و بیش ۳۶ کتابیں تصنیف فرمائی ہیں ان میں سے آپ کوئی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں اس پر آپ کو حدیث کا رنگ غالب نظر آئے گا۔ ایک چھوٹی سی مثال پیش کرنا مناسب ہوگا۔

قاضی صاحب نے عام ضرورت کے مسائل پر ایک چھوٹی سی فارسی کتاب "مالا بدمنہ" (جس کے بغیر چارہ نہ ہو) لکھی ہے بظاہر تو یہ ایک عام سی کتاب ہے اور مبتدی طلباء کے لیے لکھی گئی ہے مگر اس میں بھی حیرت انگیز طور پر حدیث اور مسالک اربعہ کے جمع و تطبیق کا رنگ غالب ہے مثلاً ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

"در فجر قرات طویل خواند، ابوبکر صدیق در نماز فجر در یک رکعت مغرب سورہ اعراف خوانده و پیغمبر در دو رکعت سورہ اعراف خواند و عثمان در نماز فجر اکثر سورہ یوسف میخواند لیکن رعایت حال مقتدیان ضروراست[۱]	فجر کی نماز میں قرات لمبی کرے حضرت ابوبکر صدیقؓ نماز فجر کی ایک رکعت میں سورۂ بقرہ پڑھتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں سورۂ اعراف پڑھتے تھے۔ حضرت عثمانؓ فجر میں اکثر سورہ یوسف تلاوت فرماتے تھے لیکن مقتدیوں کے حال کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔

اسی طرح دیہات میں نماز جمعہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

پس نزد امام اعظم در دیہات جمعہ جائز نیست و نزد شافعی و اکثر ائمہ جمعہ جائز است[۲]	امام اعظم کے نزدیک دیہات میں جمعہ جائز نہیں مگر امام شافعی اور اکثر ائمہ کے نزدیک جائز ہے۔

---

[۱] مالا بدمنہ، مطبوعہ ملتان، ص ۲۳-۲۴ [۲] ایضاً ص ۴۹۔

اسی طرح انھوں نے قرآنی علوم کے عام کرنے کے لیے عربی زبان میں تفسیر مظہری تصنیف فرمائی راقم الحروف نے اپنے تحقیقی مقالہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ "تفسیر مظہری" عربی زبان میں ہندوستان بھر میں پہلی باقاعدہ مکمل تفسیر ہے اس سے پہلے جو تفاسیر لکھی گئی ہیں انھیں مکمل تفاسیر ہرگز نہیں قرار دیا جاسکتا اور یہ تفسیر امام العصر شاہ ولی اللہ کے معارف قرآنیہ کو عام کرنے کے مشن کا حصہ ہے۔

قاضی صاحب نے اپنے بلند پایہ استاد کے تصور فقہ و اجتہاد کو مکمل طور پر اختیار کیا انھوں نے اپنی تفسیر میں اور بعض دیگر کتابوں میں اس موضوع پر اتنا مفصل اور جامع کام کیا ہے کہ ہندوستان بھر کی مسلم تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ وہ اپنے استاذ مربی امام العصر شاہ ولی اللہ سے اس بارے میں پوری طرح ہم آہنگ ہیں کہ حدیث پر کسی کے قول و قیاس کو ترجیح نہیں دی جاسکتی اپنے اس اصول کے تحت انھوں نے کسی جگہ شوافع اور دوسرے مسالک کی خبر لی ہے تو خود احناف کو بھی معاف نہیں کیا وہ خود ایک مقام پر امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

عن عبد اللہ بن المبارک قال سمعت ابا حنیفہ یقول اذا جاء عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فعلی الراس والعین ..... ونقول انہ قال اذا صح الحدیث فھو مذھبی ..... [۱۳]	عبد اللہ بن مبارک بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے امام ابو حنیفہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ملے تو وہ ہمارے سر آنکھوں پر اور اس طرح ان سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ جب کوئی صحیح مل جائے تو وہی میرا مسلک ہے۔

علاوہ ازیں تصوف کے میدان میں بھی انھوں نے بہت کچھ لکھا اور تصنیف کیا اور اپنے استاد محترم کی تعلیمات کے مطابق وہ تصوف کو احسان قرار دیتے ہیں۔ انھوں نے "احسان" کے باب کو اپنی فقہ کی کتاب "مالا بد منہ" میں بھی شامل کیا ہے حالانکہ فقہاء اپنی کتابوں میں تصوف کو بھی قریب نہیں پھٹکنے دیتے۔ مزید برآں انھوں نے تفسیر مظہری میں صوفیانہ معارف و نکات کو ہر جگہ نمایاں طور پر پیش کیا ہے تاکہ ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن کی بھی اصلاح ہوسکے وہ اپنی تفسیر میں اصلاح کے نقطہ نظر سے ہی فقراء کے دامن سے وابستہ ہونے کو فرض و واجب قرار دیتے ہیں [۱۴]

---

[۱۳] تفسیر مظہری، ۱/۱: ۴۴ [۱۴] ایضاً: ۴۴۳۔

عملی زندگی میں بہ روزگار کے طور پر انھوں نے منصب قضا کو بھی اختیار فرمایا حالانکہ بظاہر دنیوی کاموں اور سرکاری مناصب میں انہماک علماء وصوفیاء کے منصب کے خلاف ہے لیکن جیسا کہ راقم الحروف نے اپنے تحقیقی مطالعے میں ثابت کیا ہے کہ قاضی صاحب کا عہدہ قضا کو قبول کرنا اور کم وبیش نصف صدی تک اس کے ذریعے اہل علاقہ کی خدمت کرنا اپنے استاد و مربی کے مشورہ کے عین مطابق تھا اور قاضی صاحب کا یہ اقدام امام العصر کی سیاسی پالیسی کا ہی حصہ ہے کیونکہ وہ دور سخت افراتفری اور انتشار کا دور تھا۔ غیر مسلم طاقتیں اپنی اپنی جگہ منظم ہو رہی تھیں۔ ان حالات میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور مرزا مظہر جان جاناں شہید نے ایک واضح پروگرام کے تحت اپنے اپنے شاگردوں اور فیض یافتگان کو مختلف علاقوں۔ مختلف لشکروں اور دفتروں میں مامور فرمایا ان کے ان شاگردوں کے ذریعے ایک فائدہ یہ ہوا کہ لوگوں کو صالح قیادت میسر آئی۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ ان افراد کے ذریعے مختلف عمال اور گورنروں کے ساتھ قریبی رابطہ اور تعلق پیدا ہوا۔ ان دونوں بزرگوں نے اس تعلق کو مسلمانوں کی تنظیم اور وحدت پیدا کرنے کے لیے بھرپور طریقے سے استعمال کیا۔ چنانچہ بطور قاضی صاحب کو دہلی پانی پت اور بعض دیگر نواحی علاقوں میں کام کرنے کا موقعہ ملا۔ اور وہ غازی الدین عماد الملک (موجود ۱۷۵۹ء) نواب نجیب الدولہ (م ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء) نواب افضل الدولہ (برادر نواب نجیب الدولہ) نواب ضابطہ خان (م ۱۱۹۹ھ/ ۱۷۸۴ء) نواب ابوالقاسم (۱۷۷۶ء) ملا رحیم داد روہیلہ اور نواب مجد والدولہ کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے یہ تمام لوگ وہ ہیں جو اس زمانے کی مسلم سیاست کے اہم ستون تھے اور جیسا کہ تاریخی شہادت سے ثابت ہے کہ ان میں سے چند ایک ایسے ہیں جن سے امام العصر شاہ ولی اللہ نے بھی ہندوستان کی مسلم دنیا کو بچانے کا کام لیا۔

جب امام العصر کے ایماء پر ابدالی نے پانی پت کے میدان میں مرہٹہ طاقت کو ہمیشہ کے لیے کچلا اور بلا مبالغہ اس میدان میں لاکھوں مرہٹے کام آئے اس وقت بھی قاضی صاحب پانی پت میں موجود تھے اور علاقے کے حاکم تھے قاضی صاحب کی ان ہی خدمات کے پیش نظر ان کو پانی پت کا قلعہ دار بنانے کی بھی تجویز ہوئی حضرت مظہر جان جاناں چاہتے تھے کہ قاضی صاحب یہ عہدہ قبول کر لیں۔ لیکن قاضی صاحب نے اس کو اپنی ذات کے لیے پسند نہ فرمایا الغرض

قاضی صاحب کا یہ عہدہ بھی ان بزرگوں کے منشا کے عین مطابق تھا اور ان کی وجہ سے علاقے میں ایسا امن و امان دیکھنے میں آیا جو اس دور میں کسی جگہ دیکھنے میں نہ آیا۔ مولوی نعیم اللہ بڑائچی لکھتے ہیں :

فقیر کاتب گوید کہ ایں چنیں اجرای ونفاذ احکام شریعت از برکت وجود شریف ایشاں کہ در قصبہ پانی پت بود باوجود غلبہ کفار مرہٹہ موجود است در ممالک دیگر اسلام بالفصل یافتہ نمیشود[۱۵]	فقیر کاتب یہ کہتا ہے کہ ان کی وجہ سے قصبہ پانی پت میں احکام شریعت کا نفاذ باوجود کفار مرہٹہ کے سیاسی غلبہ کے ایسا دیکھنے میں آتا ہے کہ فی الوقت دوسرے کسی اسلامی ملک میں بھی ایسا نفاذ شریعت موجود نہیں ہے۔

۱۵ بشارت مظہریہ، قلمی، ورق ۱۴۷ ب۔